شریعت، طریقت اور اجتماعیت پر مبنی دینی شعور کا نقیب

ماہنامہ رحیمیہ لاہور

بانی: حضرت اقدس مولانا **شاہ سعید احمد** رائے پوری
قدّس اللّٰہُ سِرّہُ السّعید مسند نشین رابع خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

مدیرِ اعلیٰ: حضرت اقدس مولانا مفتی **عبدالخالق آزاد** رائے پوری
جانشین حضرت اقدس رائے پوری رابعؒ

مئی 2022ء / شوال المکرّم ۱۴۴۳ھ • جلد نمبر 14، شمارہ نمبر 5 • قیمت: 25 روپے • سالانہ ممبر شپ: 300 روپے • تین سالہ ممبر شپ: 700 روپے

مجلس ادارت

سرپرست: ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن
صدر: مفتی عبدالمتین نعمانی
مدیر: محمد عباس شاد

ترتیبِ مضامین

- بنی اسرائیل کے دلوں کی سختی کا حال
- ہر سنی ہوئی بات بیان کرنے سے گریز کی ضرورت
- حضرت تمیم بن اوس الداری رضی اللہ عنہ (آخری قسط)
- موجودہ سیاسی بحران اور حقیقی آزادی کے تقاضے
- اَخلاق کی درستگی کے لیے دس مسنون ذکر و اَذکار
- ابواسحاق ابراہیم الزرقالی
- لاوارث معیشت
- نیٹو مظالم سے بچانے کی رُوسی حکمتِ عملی (2)
- عید دراصل قوم کا یومِ آزادی ہوتا ہے
- عید کے دن کے آداب اور کرنے کے کام
- چاند دیکھنے والی اتھارٹی کو ماننا سب پر لازم ہے
- عید اجتماعیت کا دن، تفرقے سے بچنا ضروری ہے
- مفکرِ اَحرار چوہدری افضل حقؒ
- 1857ء میں شاملی کا معرکۂ جہاد
- دینی مسائل

ارشادِ گرامی

حضرت اقدس مولانا **شاہ عبدالقادر** رائے پوری قدس سرہ — مسند نشینِ ثانی خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

ایک مولوی صاحب نے دریافت کیا کہ:

حضرت! شیخ کی صحبت (ہم نشینی و معیت) کے کچھ آداب ہیں؟

فرمایا کہ: ’’سب سے بڑا اَدب ’محبت‘ ہے۔ اور وہی سب آدابِ (زندگی) سکھاتی ہے۔ اور محبت نہ ہو تو ادب بے جان (مصنوعی) ہے‘‘۔

مولانا عبدالرشید صاحب (نعمانی) مصنف ’’لغات القرآن‘‘ نے دریافت کیا کہ:

حضرت! اگر محبت کم ہو تو پھر کیا کچھ کام چل سکتا ہے؟

فرمایا کہ: ’’ذکرِ الٰہی کی کثرت سے کچھ کام چل (یعنی فائدہ ہو) سکتا ہے۔ اور نوافل، نمازیں، تلاوتِ قرآن مجید، ذکرِ اسمائے الٰہی ’یہ سب (امور) ذکرِ الٰہی میں شامل ہیں۔ البتہ ذکرِ اسم الٰہی (’’لا الٰہ الا اللّٰہ‘‘ اور ’’اللّٰہ‘‘ کے ذکر) سے آدمی کو ذرا جلد احساس (فائدہ) ہو جاتا ہے اور دوسرے اذکار میں ذرا دیر سے‘‘۔

(یکم رمضان المبارک ۱۳۶۶ھ/ 20 / جولائی 1947ء۔ مقام: رائے پور)
(ارشاداتِ حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ، ص: 339، طبع: رحیمیہ مطبوعات، لاہور)

رحیمیہ ہاؤس، 33/A کوئینز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور
0092-42-36307714,36369089-www.rahimia.org
Email: info@rahimia.org

رحیمیہ کا انگلش ایڈیشن ہماری ویب سائٹ پر پڑھا جاسکتا ہے۔

اِدارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) رجسٹرڈ لاہور

درسِ قرآن

تفسیر: شیخ التفسیر مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

بنی اسرائیل کے دلوں کی سختی کا حال

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۴﴾ (2-البقرہ:74)

(پھر تمھارے دل سخت ہوگئے اس سب کے بعد، سو وہ ہوگئے جیسے پتھر یا ان سے بھی سخت، اور پتھروں میں تو ایسے بھی ہیں جن سے جاری ہوتی ہیں نہریں، اور ان میں ایسے بھی ہیں جو پھٹ جاتے ہیں اور نکلتا ہے ان سے پانی، اور ان میں ایسے بھی ہیں جو گر پڑتے ہیں اللہ کے ڈر سے، اور اللہ بے خبر نہیں تمھارے کاموں سے۔)

گزشتہ آیات میں بیان کیا گیا کہ بنی اسرائیل کی تعلیم و تربیت اور اُن کے دلوں میں زندگی کی حرارت پیدا کرنے کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہر ممکن کوشش کی۔ اُن میں بلند فکری، علمی مہارت اور عملی صلاحیتیں پیدا کرنے کے لیے ہر طرح سے جدوجہد کی۔

اس آیت میں واضح کیا جا رہا ہے کہ ان تمام کوششوں کے باوجود اِن بنی اسرائیل کے دل پتھر ہوگئے۔ اور بعض لوگوں کے دل پتھر سے بھی زیادہ سخت ہوگئے۔ اُن کے دلوں میں اللہ کی طرف رجوع کے بجائے سختی پیدا ہوگئی۔ وہ دلوں کی خرابیوں اور مالی لالچ اور خودغرضی کی وجہ سے انسانی معاشرے کو فائدے کے بجائے نقصان پہنچانے لگے۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً:
انسانی وجود میں دل کی مرکزی حیثیت ہوتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ: ''انسانی جسم میں ایک ٹکڑا ہے۔ اگر وہ ٹھیک ہوجائے تو سارا جسم ٹھیک ہوجاتا ہے۔ اور اگر وہ فاسد اور خراب ہوجائے تو سارا جسم خراب ہوجاتا ہے۔ خبردار! وہ دل ہے''۔ (صحیح بخاری) انبیا علیہم السلام انسانی قلوب کو ٹھیک کرنے کے لیے ہی آتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ: ''مگر وہی کامیاب ہے، جو اللہ کے پاس صاف ستھرا دل لے کر آیا''۔ (26-الشُّعَراء: 89)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کی تعلیم و تربیت کے لیے اَنتھک محنت کی۔ اُن کے دلوں کو نرم کرنے اور اللہ کی طرف متوجہ کرنے کے لیے ہر ممکن کوشش کی۔ بنی اسرائیل کے تمام واقعات حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس جدوجہد کی گواہی دیتے ہیں۔ خاص طور پر ذبح شدہ گائے کے گوشت کو مردہ انسان کے جسم کے ساتھ لگانے سے زندگی کے آثار پیدا ہوئے، اس طرح اُن کے دلوں کو اللہ کی طرف متوجہ کرتے ہوئے اُن میں صفتِ احسان پیدا کرنے کی کوشش کی۔ ایک وقت تک اُس کے آثار بنی اسرائیل میں پائے گئے۔ پھر اس واقعے کے بعد اُن کے دل پتھر کی طرح ہوگئے، یا اُس سے بھی بڑھ سخت ہوگئے۔ اُن میں رجوع الی اللہ کی کیفیت ختم ہوگئی اور وہ تورات کی الٰہی تعلیمات پر مشتمل قوانینِ شریعت کی خلاف ورزی کرنے لگے اور انتہائی غفلت میں مبتلا ہوگئے۔

وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ: اگرچہ بنی اسرائیل کے دل پتھر ہوچکے تھے، لیکن اللہ پاک فرماتے ہیں کہ پھر پتھروں کی بھی تین قسمیں ہیں۔ ان میں سے ایک قِسم کا تذکرہ اس جملے میں فرمایا گیا کہ بعض پتھر ایسے ہوتے ہیں، جن سے انسانیت کے فائدے کے لیے نہریں جاری ہوتی ہیں۔ قانونِ شریعت کی پابندی کا بنیادی مقصد یہی ہوتا ہے کہ اُس کے ذریعے سے انسان خدا پرستی اور انسان دوستی کے لیے کام کرے۔ انسانی فائدے اور منافع کے لیے کردار ادا کرے۔ پانی جو انسانیت کی بنیادی ضرورت ہے، وہ پتھروں سے ہی نکل کر دریاؤں اور نہروں کی صورت اختیار کرتا ہے اور زمینوں کو سیراب کرکے انسانوں کے کھانے پینے کے نظام کا بندوبست ہوتا ہے۔ اس طرح پتھر بھی اللہ کے بنائے ہوئے طریقۂ کار اور قانون کے مطابق انسانیت کی سیرابی کے لیے کام کرتے ہیں، لیکن بنی اسرائیل کے دل انتہائی غفلت کی وجہ سے ایسے پتھر کی صورت اختیار کرگئے، جو نفعِ انسانیت کا کوئی کام کرنے کے لیے قطعی تیار نہیں۔

وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ: پتھروں کی دوسری قسم وہ ہے کہ جن سے پانی نہروں اور دریاؤں کی صورت میں نہیں نکلتا، لیکن اگر انھیں کھود کر کنوواں یا چشمہ نکالا جائے تو اُس پانی سے انسانیت سیراب ہوتی ہے۔ وہ بھی قدرتِ الٰہی کے بنائے ہوئے قانون کی پابندی کرتے ہوئے انسانیت کی خدمت کے لیے کام کرتا ہے۔ لیکن بنی اسرائیل میں اس قدر غفلت پیدا ہوگئی اور ذاتی لالچ اور خودغرضی پیدا ہوگئی کہ جو لوگ انسانیت کی خدمت کا کام بھی کرتے ہیں، انھیں بھی اس سے روکنے اور اپنے ساتھ غافل بنانے کے لیے تیار رہتے ہیں۔ جیسا کہ آیت 75 میں ذکر ہے۔

وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ: پتھروں کی تیسری قسم ایسی بھی ہے کہ اگرچہ اُن سے انسانیت کے فائدے کے لیے پانی وغیرہ کچھ نہیں نکلتا۔ اس کے باوجود اُن پتھروں کے اپنے وجود میں ایسی نرمی ہوتی ہے اور اُن میں خود ایسا اثر اور تأثر ہوتا ہے کہ وہ اللہ کے ڈر سے گر پڑتے ہیں۔ اوپر سے گرے ہوئے پتھروں سے انسانیت اپنے مکانات بنانے اور اپنی دیگر ضرورتیں پورا کرنے کا کام لیتی ہے۔

وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ: یہودیوں کو مخاطب کرکے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم نے اپنے دلوں کی سختی کے سبب تورات کی تعلیمات اور قوانینِ موسوی کی خلاف ورزی کرتے ہوئے جو انسانیت دشمن اعمال کیے ہیں، اُن سے اللہ تعالیٰ بالکل غافل نہیں ہے، بلکہ تمھاری تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ تم نے انسانیت کو ہمیشہ نقصان پہنچایا ہے، بلکہ خود اپنے خاندان اور اپنے قومی نظام کو تباہ کرتے رہے ہو۔

اللہ تعالیٰ نے اُن کی سخت دلی پر مشتمل غلط کاموں کا ذکر آئندہ آیات (75 تا 102) میں کیا ہے۔ کس کس موقع پر انھوں نے خود اپنی ہی قوم کے خلاف قتل و غارت گری، مالی لالچ، جھوٹ و بد دیانتی، ظلم و ناانصافی اور جادوگری کے ذریعے سے خاندانی نظام تباہ کرنے کا کردار ادا کیا ہے۔ اس کی تفصیلات آئندہ آیات میں بیان کی جارہی ہیں۔

درسِ حدیث

از: مولانا ڈاکٹر محمد ناصر، جھنگ

ہر سنی ہوئی بات بیان کرنے سے گریز کی ضرورت

عَنْ أبِي هُرِيْرَةَ رضى الله تعالىٰ عنهُ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: ”كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِباً أَنْ يُحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ. (صحيح المسلم: 7)

(حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے یہی بات کافی ہے کہ وہ جو بات سُنے، اسے (بغیر کسی تحقیق کے دوسرے کے سامنے) بیان کردے“۔)

اس حدیث میں مؤمن کو یہ رہنمائی دی گئی ہے کہ کسی بھی بات کو جانچ پرکھ کر تسلیم کرے اور پھر آگے بیان کرے۔ بات کو بِنا پرکھے اور بغیر تحقیق کیے آگے بیان کر دینا' محتاط اور سمجھ دار آدمی کا رویہ نہیں ہوسکتا۔ اس امر میں غیر محتاط لوگ حدیث کی روشنی میں جھوٹا کہلانے کے مستحق ہیں۔ ارشادِ الٰہی ہے: ”اے ایمان والو! تمھارے پاس کوئی گناہ گار خبر لے کر آئے تو اس کو اچھی طرح جانچ لیا کرو۔ ایسا نہ ہو کہ تم (کسی جھوٹی خبر کی بنا پر رائے قائم کر کے) اقدام کر دو (اور پھر حقیقت واضح ہونے پر) تمھیں اپنے کیے پر شرمندگی اور ندامت ہو“۔ (49-الحجرات: 6) ایک جگہ قرآن نے مؤمنوں کی خصوصیت یہ بیان کی کہ: ”جب انھیں اللہ کی آیتوں کے ذریعے نصیحت کی جاتی ہے تو وہ بہرے اندھے ہو کر اس پر نہیں گر پڑتے“۔ (25-الفرقان: 73) یعنی سوچنے، سمجھنے، تحقیق کرنے اور پرکھنے کا مزاج رکھتے ہیں اور آیاتِ الٰہی کو خوب سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

موجودہ دور پروپیگنڈے کا ہے۔ بے بنیاد اور خلافِ حقیقت بات کو مہارت سے سچ ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ عوام الناس کا یہ مزاج بن چکا ہے کہ جس بات کو زیادہ لوگ بیان کر رہے ہوں، اس پہ یقین کر لیتے ہیں۔ جعل سازی اور ملمع کاری کا چلن ہے۔ اکثریت نے سچ اور حقیقت کو خیر باد کہہ دیا ہے۔ سچائی اور حقیقت کی جستجو اور تسلیم کرنے کا رویہ کم ہو گیا ہے۔ اس طرزِ عمل نے ہمیں حقیقی اور کامیاب دنیا سے دو سو سال پیچھے کر دیا ہے۔ اس پروپیگنڈے کے بہاؤ میں سچی جماعت سے لوگوں نے منہ موڑ لیا۔

جس جماعت نے خطے کی آزادی کے لیے قربانیاں دیں، اپنا خون بہایا، تحریکِ آزادی چلائی، پروپیگنڈے کی طاقت نے عوام کو ان سے دُور کر دیا۔ قوم ان کے پیچھے چل پڑی، جنھوں نے محض اسلام کا نعرہ لگایا، ان کی سوچ کے بارے میں عوام نے یہ غور نہیں کیا کہ دین کا کوئی حقیقی تصور ان کے پیشِ نظر ہے یا نہیں؟ قرآن کے عادلانہ نظام کے بارے میں ان کی کیا سوچ ہے؟ اس کا نتیجہ ہے کہ اَب تک نہ دین نافذ ہوا اور نہ قومی مسائل حل ہوئے، مگر جھوٹ پہ مبنی تصورات آج بھی قومی دماغوں پر حاوی ہیں اور غور و فکر پر تالے پڑے ہوئے ہیں۔ اس حدیث مبارک میں رسول اکرم ﷺ یہ سمجھا رہے ہیں کہ ہر بات کی پرکھ کا مزاج بناؤ، شعوری طریقہ اپناؤ، سنی سنائی بات پہ چلنے کا طرزِ عمل انسانی شخصیت کے لیے بہت نقصان دہ ہوتا ہے۔

صحابہؓ کا ایمان افروز کردار

مولانا قاضی محمد یوسف، حسن ابدال

حضرت تمیم بن اوس الداری رضی اللہ عنہٗ

آخری قسط

حضرت تمیم بن اوس داری رضی اللہ عنہٗ خوش پوش، خوش وضع، خوب صورت اور سلیم الفطرت انسان تھے۔ حضور اقدس ﷺ نے آپؓ کو معاشی ضروریات پورا کرنے کے لیے بستی ”عینون“ میں ایک زمین کے ایک حصے کی دستاویز لکھ کر دیں، لیکن آپؓ نے محبتِ رسولؐ میں مدینہ چھوڑنا گوارا نہ کیا۔ عہدِ نبویؐ اور خلفائے ثلاثہؓ کے زمانے تک مدینہ میں قیام پذیر رہے اور آخری عمر تک درویشانہ اور زاہدانہ طرزِ زندگی اختیار کیے رکھی۔

آپؓ نہایت عابد و زاہد تھے۔ اِتباعِ سنت اور نیک اعمال کی پابندی کا خاص اہتمام تھا، حصولِ ثواب کے کاموں میں سب سے اوّل ہوتے۔ نمود و نمائش اور ریاکاری سے ہمیشہ بچتے تھے۔ آپ کو نماز میں قرآن حکیم کی تلاوت کا شوق تھا۔ آپ نے ایک ہزار درہم کے عوض ایک قیمتی جوڑا خریدا تھا، جس کو پہن کر رات کو تہجد پڑھتے تھے۔

محمد بن منکدرؒ فرماتے ہیں کہ: حضرت تمیم داریؓ ایک رات سوئے اور تہجد کے لیے نہ اٹھ سکے، یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ تو تہجد چھوٹ جانے کی پاداش میں ایک سال مکمل رات بھر نوافل میں مشغول رہے اور بالکل نہیں سوئے۔

”سیر اعلام النبلاء“ میں ہے کہ حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں کہ حضرت تمیم داریؓ جب اسلام لائے تو کہا: یا رسول اللہ! یقیناً اللہ تعالیٰ آپؐ کو پوری زمین پر غالب کرے گا، تو مجھے ”بیتُ اللَّحم“ کی میری بستی عنایت فرمایئے گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ”هِيَ لَكَ“ (وہ تیری ہی ہے)۔ اور آپؐ نے اس کی سند (دستاویز) لکھ دی۔ چناں چہ حضرت تمیمؓ حضرت عمر فاروقؓ کے دورِ خلافت میں اُن کے پاس وہ دستاویز لے کر گئے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: ”إنّا شاهد ذٰلک“ (میں خود اس کا شاہد ہوں)۔ پھر اس دستاویز کو حضرت عمرؓ نے نافذ کرتے ہوئے وہ قریہ (بستی) ان کے حوالے کر دیا۔ حضرت لیث تابعیؒ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے حضرت تمیمؓ سے یہ بھی فرمایا تھا کہ: ”اس بستی کو فروخت نہ کرنا“۔ فرماتے ہیں کہ: ”وہ بستی آج تک حضرت تمیمؓ کے خاندان کے قبضے میں ہے“۔ (سیر اعلام النبلاء: 4/84)

ایک بار مدینہ منورہ کی ایک بستی ”حرہ“ میں آگ لگ گئی۔ حضرت عمرؓ نے آپؓ سے اس مشکل کا تذکرہ کیا۔ آپؓ فوراً وہاں تشریف لے گئے اور آگ میں گھس کر اُسے بجھا کر صحیح سالم واپس آئے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے آپؓ کو ”خیر المدینہ“ کا خطاب دیا۔ کتبِ حدیث میں حضرت تمیم داریؓ سے آپؐ کی بارہ احادیث مروی ہیں۔ آپؓ کا سب سے بڑا شرف یہ ہے کہ خود رسول اللہؐ نے آپؓ سے ایک واقعہ روایت کیا ہے۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد فتنے کے دور میں حضرت تمیمؓ بادلِ نخواستہ مدینہ منورہ چھوڑ کر شام چلے گئے اور وہیں گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ آپؓ کی وفات فلسطین میں سن ۴۰ھ میں اپنی بستی میں ہوئی اور وہیں مدفون ہیں۔

شذرات

موجودہ سیاسی بحران اور حقیقی آزادی کے تقاضے

اس وقت ملکی سیاست جس انتشار کا شکار ہے، اس میں کوئی ایک موضوع نہیں جس پر کچھ کہہ کر یہ سمجھ لیا جائے کہ حالات و واقعات پر اپنے خیالات پیش کر کے اپنا مکمل نقطۂ نظر قوم کے سامنے پیش کر دیا گیا ہے۔ حالات دن بہ دن اتنے پہلودار اور پیچیدہ ہوتے چلے جا رہے ہیں کہ وہ ایک ایسے سمندر کی مانند ہیں جس کا کوئی کنارہ ہی دکھائی نہیں دیتا۔ اور ایک عام شہری کی زندگی اس سمندر میں اُس کشتی کی سی ہے، جو اس بحرِ بے کراں کی بپھرتی موجوں پر سفر کرتی ہے۔

اس وقت ملک کا سیاسی سٹیج دو حصوں میں منقسم ہے: ایک حصے پر ملک کی تمام قابلِ ذکر سیاسی جماعتیں موجود ہیں اور دوسرے حصے پر اقتدار سے الگ کی جانے والی جماعت براجمان ہے۔ اس وقت دونوں کیمپوں کے بیانیے سیاسی فضا میں گونج رہے ہیں۔ سابقہ اپوزیشن اتحاد — جو اَب حکومتی اتحاد میں تبدیل ہو چکا ہے — اپوزیشن میں ہوتے ہوئے اس کے پاس گورنمنٹ کے خلاف مہنگائی کا ایک قابلِ ذکر بیانیہ تھا، لیکن اب حکومت میں آ کر نہ صرف اس کے پاس کوئی خاص بیانیہ نہیں ہے، بلکہ اس اتحاد کی سب سے نمایاں پارٹی نے ایوانِ اقتدار کی طرف بڑھتے ہوئے امریکا کے حق میں چند ایسے بودے بیانات دیے ہیں، جس کی وجہ سے ان کے لیے جگ ہنسائی کا کافی سامان جمع ہو گیا ہے۔ یہ اقتدار کے پجاری سیاست دان اقتدار کے لیے ہر طرح کی ذلت قبول کرنے کے لیے تیار رہتے ہیں۔ کل تک جن اداروں کو یہ جمہوریت دشمن باور کرواتے تھے: ''ووٹ کو عزت دو''، اور سول بالادستی جیسے نعروں سے عوام کو دھوکا دیتے رہے، آج یہ پھر اپنی پرانی پچ پر آ کر دوبارہ اُن کے زیرِ سایہ کھیلنے میں بڑی راحت محسوس کر رہے ہیں۔ بہ قول میرؔ یہ اپنی زبانِ حال سے کہہ رہے ہیں ؎

ہم غلامی میں ہوتے ہیں حاضر   اب نہ خدمت سے ہوویں گے قاصر

جاری سیاسی صورتِ حال نے ایک بار پھر یہ واضح کر دیا ہے کہ ہمارے ہاں نظام مکمل طور پر ناکام ہو چکا ہے۔ یہاں سسٹم نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ اداروں کے بجائے افراد طاقت کا منبع ہیں۔ ادارے، آئین اور قانون ان کے ہاتھ میں موم کی ناک ہیں، جنھیں جب جدھر چاہیں حسبِ خواہش موڑ لیں۔ یہی وجہ ہے کہ موجودہ صورتِ حال میں اداروں کا بہ حیثیتِ ادارہ کوئی رول نظر نہیں آ رہا۔ یوں لگ رہا ہے کہ یہ سارا بندوبست چند افراد کی خواہشات کے تابع ہے۔ وہ جب چاہیں' کھیل کو بدل سکتے ہیں۔ اسی لیے سیاسی پارٹیاں بھی اداروں کو آزاد، خودمختار اور مضبوط بنانے کے بجائے ان طاقت ور لوگوں کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کرتی ہیں کہ اگر وہ ساتھ ہیں تو پھر اقتدار کے ایوانوں تک پہنچنے سے انھیں کوئی نہیں روک سکتا۔ اور اگر مقامی آقا کے ساتھ بیرونی آقا کی بھی حمایت حاصل ہو جائے تو: سونے پر سہاگہ۔

قوم کے لیے یہ سوال بہت اہم ہے کہ آخر وقفے وقفے سے ایسے بحران کیوں جنم لیتے ہیں؟ ان کا ذمہ دار کون ہے؟ ظاہر ہے ان کی ذمہ داری انھیں قوتوں پر آتی ہے، جو کٹھ پتلیاں بناتی اور توڑتی رہتی ہیں۔ ملک کے پہلے وزیراعظم کے قتل اور پہلے منتخب عدالتی مقتول وزیراعظم سے لے کر موجودہ عدمِ اعتماد کے شکار وزیراعظم تک اس کی کلاسیکل مثالیں ہیں۔ یوں ملک کا کوئی بھی وزیراعظم اپنی مقرر کردہ مدت پوری نہیں کر سکا۔

جن کے ہاتھوں میں اداروں کی باگ ڈور اور پاور ہوتی ہے، وہ ایک خرابی کو نظرانداز کرتے ہیں اور دوسری خرابی کو آئین سے متصادم قرار دیتے ہیں۔ اگر تحریکِ عدمِ اعتماد کو اِلتوا میں ڈال کر تاخیری حربے استعمال کرنا آئینی تقاضوں کی پامالی ہے تو مرکز سے لے کر پنجاب کے صوبے تک میں ممبروں کی منڈی لگا کر کرپشن کے پیسوں سے ہارس ٹریڈنگ کرنا اور عدالتی تشریح کا سامنے نہ آنا' آئین کی کون سی شق کی پاسداری کہلائے گا؟ بس یہی وہ خرابی ہے، جس نے موجودہ بحران کو جنم دیا ہے۔

اقتدار سے بے دخل پارٹی کا یہ بیانیہ کہ چوروں اور ڈاکوؤں کو اقتدار میں واپس آنے کا راستہ دیا گیا ہے۔ اس میں تو کوئی شک ہی نہیں۔ کیوں کہ یہ بات اب ایک عام پاکستانی بھی جانتا ہے کہ قیامِ پاکستان سے اب تک اقتدار میں رہنے والی پارٹیوں کی باقیات ہی نے ملک کو موجودہ صورتِ حال تک پہنچایا ہے۔ اور فردِ جرم کے زد میں کھڑے ضمانت پر رہا باپ بیٹے کے لیے جب ایوانِ اقتدار کا راستہ ہموار کیا جائے گا تو پھر بے دخل پارٹی کا بیانیہ عوامی مقبولیت تو حاصل کرے گا۔ اسے کیسے روکا جا سکتا ہے۔

اب دوسری طرف آ جایئے! جہاں تبدیلی اور نئے پاکستان کے بعد اب خودمختار پاکستان کے نعرے گونجنے لگے ہیں۔ اس ملک میں مقبول بیانیوں کی سیاست کی پوری ایک تاریخ ہے۔ یہاں 'اسلام'، 'نظامِ مصطفیٰ'، 'روٹی کپڑا مکان' اور 'اسلامی ملکوں کا بلاک بنانے' کی سیاست بھی ہوتی رہی ہے۔ آج کل بھی کچھ نئے بیانیے تشکیل دیے گئے ہیں۔ دراصل اس نظام میں چند سالوں بعد اُٹھنے والی نئی سیاسی قوت روایتی سیاست میں ''انقلابی تقریروں'' کا سہارا لے کر عوام میں نمایاں ہو جاتی ہے۔ کیوں کہ ہمارے ہاں اَوسط ذہن ہمیشہ جذباتی بیانیوں سے متأثر ہوتے ہیں۔ ہمارے ہاں کے سیاسی کارکنوں کی اکثریت — خواہ وہ کسی بھی سیاسی جماعت سے وابستہ ہو — ہمیشہ جذباتی بیانیوں کے پیچھے چلتی ہے۔ یہ جذباتی بیانیے سیاسی کھیل کا حصہ ہوتے ہیں، تاکہ عوام کی ہمدردی حاصل کی جا سکے۔ یہ بے چارے دُکھیارے عوام بھی ان نعروں اور تقریروں کو حقیقت سمجھ بیٹھتے ہیں اور حکمران' عوام کی حمایت سے نظام کی ''کان'' میں جا کر عوام کے علی الرغم نظام کے ہو جاتے ہیں: ہر کہ در کانِ نمک رفت، نمک شُد (جو نمک کی کان میں گیا، نمک ہو گیا)۔

امریکی بلاک کی مخالفت اس وقت کا مقبول بیانیہ ہے۔ اس مقبول بیانیے کو اقتدار سے بے دخل سیاسی جماعت عوامی حمایت کے لیے بھرپور استعمال کر رہی ہے۔ اگر تو کوئی پارٹی امریکی بلاک کے بارے میں سنجیدہ اقدامات کرے تو یہ اس ملک کی قسمت کو بدل دینے کا ایک بہت بڑا فیصلہ ہوگا۔

بقیہ: صفحہ 11 پر

مترجم: مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

اَخلاق کی درستگی کے لیے دس مسنون ذکر و اَذکار

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ ''حُجّةُ اللّٰهِ البالِغه'' میں فرماتے ہیں:

(1 و 2۔ ''سبحان اللّٰه'' و ''الحمد للّٰه'' کی اہمیت)

''جب (سبحان اللّٰه و الحمد للّٰه) کے ذکر کی صورت (اللہ کی پاکیزگی اور تمام کمالات کا اللہ کے لیے اِس اثبات) کسی انسان کے نامۂ اعمال میں پختہ ہوجاتی ہے تو اُس وقت اُس پر اللہ کی ایسی کامل اور پوری معرفت ظاہر ہوتی ہے، جس سے اللہ کے کمالات پورے طور پر سامنے آتے ہیں اور یوں قربِ الٰہی کے حوالے سے اُس کے لیے ایک بڑا عظیم دروازہ کھل جاتا ہے۔

اسی کی طرف نبی اکرم ﷺ نے اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے: ''سبحان اللّٰه'' کہنا ترازو کے آدھے پلڑے کو بھر دیتا ہے۔ اور ''الحمد للّٰه'' اُس پلڑے کو پورا بھر دیتا ہے''۔ (رواہ الترمذی، مشکوٰة، حدیث: 2313) اسی طرح آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ''سبحان اللّٰه و بحمدهٖ'' کا کلمہ زبان پر بہت ہلکا اور میزان میں بہت بھاری ہے۔ اور اللہ تبارک وتعالیٰ کو بہت محبوب ہے''۔ (متفق علیہ، مشکوٰة: 2298) اور یہ بھی ارشادِ نبویؐ ہے: ''جس نے ''سبحان اللّٰه العظیم و بحمدهٖ'' کہا، اُس کے لیے جنت میں کھجور کا ایک درخت لگ جاتا ہے''۔ (رواہ الترمذی، مشکوٰة: 2304) اسی طرح حدیث میں آیا ہے کہ: ''جس نے ''سبحان اللّٰه و بحمدهٖ'' ایک دن میں سو مرتبہ پڑھا، تو اُس کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں، اگرچہ وہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہی کیوں نہ ہوں''۔ (متفق علیہ، مشکوٰة: 2296) اور ارشادِ نبویؐ ہے کہ: ''جس آدمی نے صبح اور شام ''سبحان اللّٰه و بحمدهٖ'' سو مرتبہ پڑھا، تو قیامت کے دن اُس سے زیادہ افضل کلمہ لانے والا کوئی اَور نہیں ہوگا۔ سوائے اُس کے کہ جس نے یہی کلمہ سو مرتبہ پڑھا ہو، یا سو مرتبہ سے زیادہ پڑھا ہو''۔ (متفق علیہ، مشکوٰة: 2297) اسی طرح ایک حدیث میں رسول اللہؐ سے سوال کیا گیا کہ کلمات میں کون سا کلمہ سب سے افضل ہے؟ تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ: ''اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے فرشتوں کے لیے ''سبحان اللّٰه و بحمدهٖ'' سے بڑھ کر کوئی کلمہ منتخب نہیں کیا''۔ (مشکوٰة: 2300)

جہاں تک آپؐ کے اس فرمانِ نبویؐ کے راز کا تعلق ہے کہ: ''سب سے پہلے وہ آدمی جنت میں بلائے جائیں گے، جو ہر خوشی اور تنگی کی حالت میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور تعریف کرتے ہیں''۔ (مشکوٰة: 2308) تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسے لوگوں کا عمل اللہ کے لیے تعریفات کا اثبات ہے اور تمام ثبوتی قوتوں کو ظاہر کرنے والا ہے۔ اور انسانوں میں سے ایسی قوتوں کو ظاہر کرنے والا ہمیشہ کی جنت میں بڑا حصہ پائے گا۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ: ''دعاؤں میں سب سے افضل ''الحمد لِلّٰه'' ہے''۔ (مشکوٰة: 2307) اس حدیث کا راز یہ ہے کہ دعا کی دو قسمیں ہیں — جیسا کہ ہم عنقریب آگے بیان کریں گے — ''الحمد لِلّٰه'' کہنا ان دونوں قسموں میں فائدہ دیتا ہے۔ اس لیے کہ اللہ کا شکر ادا کرنا اُس کی نعمت میں اضافے کا سبب بنتا ہے۔ اور اس لیے بھی کہ یہ کلمہ معرفتِ ثبوتی کا اظہار ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''الحمد لِلّٰه'' کہنا اللہ کے شکر کی بنیاد ہے۔ جس آدمی نے اللہ کی حمد اور تعریف نہیں کی، اُس نے اللہ کا شکر ادا نہیں کیا''۔ (مشکوٰة: 2307) اس حدیث کا راز یہ ہے کہ شکر زبان، دل اور اعضا سے ادا کیا جاتا ہے۔ اور ''الحمد لِلّٰه'' کا کلمہ زبان سے ادا کرنا' دل اور اعضا سے زیادہ فصیح اور بلیغ ہے۔

(3۔ کلمہ ''لا إله إلّا اللّٰه'' کی اہمیت)

(اَخلاق کی درستگی کے لیے) مسنون اذکار میں سے کلمہ ''لا إلٰـه إلّا اللّٰـه'' ہے۔ اس کلمۂ طیبہ کے بہت سے باطنی معنی اور مطلب ہیں:

1۔ اس کا پہلا معنی ہر طرح کے ظاہری شرک اور کفر کا انکار ہے۔

2۔ اس کا دوسرا معنی شرکِ خفی (اعمال کی ریاکاری وغیرہ) کا انکار ہے۔

3۔ اللہ کی معرفت کی طرف پہنچنے میں حائل پردوں اور حجابات کو توڑنا ہے۔ آپؐ کے درجِ ذیل فرمانِ نبویؐ میں اسی تیسرے معنی کی طرف اشارہ ہے کہ: ''کلمہ طیبہ ''لا إله إلّا اللّٰه'' کو اللہ تک پہنچنے میں کوئی حجاب باقی نہیں رہتا، یہاں تک کہ انسان اللہ تک پہنچ جاتا ہے''۔ (رواہ الترمذی، مشکوٰة: 2313)

حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کلمہ طیبہ کے پہلے دو معنوں اور مطلبوں کو جانتے تھے، البتہ انھوں نے اس کلمہ کے تیسرے معنی کو پورے طور پر نہیں سمجھا۔ (جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے دعا کی کہ: ''اے میرے پروردگار! مجھے ایسی کوئی خاص بات سکھائیں کہ جس سے میں آپ کا ذکر کروں اور آپ کو پکاروں''، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: ''اے موسیٰ! ''لا إلٰـه إلّا اللّٰه'' پڑھا کر''۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ: ''آپ کے سارے بندے یہ کلمہ پڑھتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھے کوئی خاص کلمہ بتائیں''۔) اس پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے انھیں ظاہری حالت میں وحی کی اور واضح کیا کہ یہ کلمہ طیبہ ہر ما سوا اللہ کو دور کرنے والا ہے اور اللہ کی محبت کا راستہ بیان کرنے والا ہے۔ اور ذاتِ باری تعالیٰ کو انسان کی آنکھوں کے سامنے ہمہ وقت حاضر رکھنے والا ہے۔ اور یہ کہ اگر تمام کائنات کو ترازو کے ایک پلڑے میں رکھا جائے اور دُوسرے پلڑے میں یہ کلمہ طیبہ رکھا جائے تو کلمہ طیبہ والا پلڑا جھک جائے گا اور ساری کائنات میں موجود چیزوں کو کمزور اور حقیر بنا دے گا''۔ (مشکوٰة: 2309)

کلمہ طیبہ ''لا إلٰـه إلّا اللّٰه'' کے ساتھ مزید نفی واِثبات کی تفصیل بھی ہے۔ چناں چہ آپؐ نے فرمایا کہ: ''جس نے یہ کلمہ سو مرتبہ پڑھا: ''لا إلٰـه إلّا اللّٰـه وحده لا شریک له، له المُلکُ، و له الحمدُ، و هو علیٰ کل شیء قدیر'' گویا کہ اُس نے دس غلاموں کو آزاد کیا اور اُس کے لیے سو نیکیاں لکھی گئیں اور سو گناہ معاف کردیے گئے۔ اور اُس دن شام تک شیطان سے اُس کی حفاظت کردی گئی۔ اور اُس دن کوئی آدمی اس سے زیادہ افضل عمل نہیں لے کر آیا، سوائے اُس کے کہ جس نے یہی عمل زیادہ مقدار میں کیا ہو''۔ (متفق علیہ، مشکوٰة: 2302) اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ کلمہ طیبہ معرفتِ ثبوتی اور معرفتِ سلبی دونوں کا جامع ہے۔ معرفتِ سلبی گناہوں کو مٹانے کا سبب بنتی ہے اور معرفتِ ثبوتی نیکیوں کو پیدا کرنے کے لیے زیادہ فائدہ مند ہے۔ اور اُس کے پورے بدلے کو ظاہر کرتی ہے''۔ (باب الاذکارِ و ما یتعلّق بها)

اسلامی دور کی ناقابلِ فراموش شخصیات

مفتی محمد اشرف عاطف، لاہور

قرونِ وسطیٰ کے ماہر فلکیات وہیئت

ابواسحاق ابراہیم الزرقالی

قرونِ وسطیٰ میں جب مسلمانوں کا اقتدار ایشیا و افریقا اور یورپ تک پھیلا ہوا تھا اور دنیا کے دو تہائی حصے پر مسلم حکومت قائم تھی، اس وقت مسلمان حکمرانوں نے اپنی صلاحیتوں کو استعمال کرتے ہوئے ہر شعبۂ زندگی کو ہمہ جہتی ترقی سے ہم کنار کیا۔ خصوصاً خلفائے بنواُمیہ و بنوعباس کے دور میں تمام علوم پر بڑا تحقیقی کام ہوا۔ بڑی بڑی لائبریریاں قائم ہوئیں۔ دارالتراجم قائم کیے گئے۔ سائنس، طب اور فلسفے کی بڑی اور اہم کتابیں مشرق و مغرب سے اکٹھی کرکے ان کے تراجم کیے گئے۔ یونانی، لاطینی، فرانسیسی، سنسکرت اور فارسی زبانوں سے عربی میں ترجمے کیے گئے۔ عام طور پر تراجم کا کام یہودی اور مسیحی مفتوحین نے سرانجام دیا۔ اس طرح سائنس، طب اور ادب کی دنیا بھر کی علمی کتابیں عوام الناس کے لیے میسر ہوگئیں۔

ترجمے کے دور کے بعد تخلیقی کام کا دور شروع ہوا۔ اس دور میں سائنسی علوم میں سب سے زیادہ توجہ ''علمِ ہیئت'' کو دی گئی۔ ایک تو اس لیے کہ سمندروں میں سفر کو محفوظ تر بنانے میں اس سے مدد لی جاتی تھی۔ دوسرا یہ کہ مسلمانوں کے تمام تر دینی فرائض کی ادائیگی اور سالانہ کیلنڈر اور تواریخ کا تعین علمِ ہیئت سے متعلق ہے۔ خصوصاً رؤیتِ ہلال کا تعین، ماہ و سال کی پیمائش، روزے، حج اور دیگر دینی فرائض کی ادائیگی کے لیے تواریخ کا تعین اس فن سے متعلق تھا۔ چناں چہ اس فن میں مسلم سائنس دانوں نے دادِ تحقیق دی۔

خلافتِ بنوعباس کے زمانے میں علم ہیئت وفلکیات اپنے عروج پر پہنچ گیا۔ مسلم دورِ حکومت میں اس فن کے بہت سے ماہرین منصۂ شہود پر آئے۔ ان میں سے ایک ابواسحاق ابراہیم الزرقالی بھی ہیں، جنھیں ''ابن زرقالہ'' بھی کہا جاتا ہے۔ وہ اندلس کے رہنے والے تھے۔ جدید تحقیق کے مطابق چاند، سورج اور دیگر سیارے آسمان کے نیچے کھلی فضا میں معلق ہیں اور اپنے اپنے محور میں گردش کر رہے ہیں۔ اس جدید نظریے کے بانی ابواسحاق ابراہیم زرقالی ہی ہیں۔ اور اس بات کا اعتراف کوپرنیکس (پولینڈ کا رہنے والا) جو کہ اہلِ یورپ کے ہاں جدید فلکیات کا مؤسس و بانی ہے، نے اپنی تصانیف میں واضح طور پر کیا ہے کہ جدید فلکیات کا یہ نظریہ اس نے زرقالی وغیرہ مسلمان ماہرینِ فلکیات کی کتابوں سے اخذ کیا ہے۔

زرقالی اندلس کے شہر طلیطلہ کے نواحی گاؤں میں 1027ء میں پیدا ہوئے۔ طلیطلہ اس وقت طائفہ طلیطلہ کا دارالحکومت تھا۔ شروع میں ان کی تربیت بہ طور لوہار کے ہوئی۔ بعد میں انھوں نے ہندسہ اور فلکیات کی تعلیم ذوق و شوق سے حاصل کی۔ انھوں نے قرطبہ و غرناطہ میں تعلیم حاصل کی۔ علم ہیئت و ریاضی میں خصوصی مہارت حاصل کی اور فلکیات پر کئی کتابیں لکھیں۔ ساٹھ سال کی عمر میں 1087ء میں وفات پائی۔

ملکی معیشت

محمد کاشف شریف، اسلام آباد

لاوارث معیشت

پی ٹی آئی اور اس کی مخالف پارٹیوں کے درمیان کیا اختلاف ہے؟ یہ ایک ایسا سوال ہے، جس کے جواب کی کھوج' ہمیں ایک عجیب مضحکہ خیز حقیقت پر لا کھڑا کرتی ہے۔ اب پی ٹی آئی کی حکومت ختم ہوچکی ہے اور اسے نااہل اور نالائق کا خطاب دیا جاچکا ہے۔ یہی پی ٹی آئی تھی جس نے پہلے والی حکومتوں کو کرپٹ اور خاندانی حکومتوں کا خطاب دیا تھا۔ یہاں تک بات سمجھ آتی ہے، لیکن قومی معاشی پالیسی سے مندرجہ بالا خطابات کس طرح مطابقت رکھتے ہیں؟ بڑھتا ہوا تجارتی خسارہ، اس پر ادائیگیوں کا عدم توازن، ملک پر ہر لحظہ بڑھتے ہوئے قرض کا بوجھ، مقامی بڑھتا ہوا مالیاتی خسارہ، روپے کی نہ رُکنے والی بے قدری، اداروں کی نااہلی، ریکارڈ توڑ مہنگائی اور اس سب میں مقتدرہ اور سرمایہ داروں کے مخصوص ٹولے کی ریکارڈ توڑ ترقیاں۔ یہ ایک ایسا منظر نامہ ہے کہ ہر حکومت کے جانے پر بیان کیا جاتا ہے اور نئی حکومت کو چیلنج کے طور پر بتایا جاتا ہے۔

سری لنکا، لبنان اور دنیا کے دیگر معاشی طور پر ناکام اور قلاش ممالک کی کہانیاں بھی ہماری مقتدرہ کو اس کھیل سے باز نہیں رکھتیں۔ خدشات کے اظہار پر یہ کہا جاتا ہے کہ پاکستان ایک بڑا ملک ہے۔ یہ اپنی خوراک کی ضروریات کا ایک بڑا حصہ خود پیدا کرتا ہے۔ سب سے اہم یہ کہ پاکستان کا محل وقوع ایسا ہے کہ چین ہو یا امریکا' ہمیں تنہا نہیں چھوڑے گا۔ اس لیے سری لنکا جیسی صورتِ حال کا ملک پاکستان پر وارد ہونا تقریباً ناممکن ہے۔ ایسا ہو بھی تو ہماری ہر حکومت کے پاس ایک سابقہ حکومت کی سہولت موجود ہوتی ہے، جس پر سب کچھ ڈال کر قوم کو سخت سے سخت حالات کا سامنا کرنے کی نوید سنادی جاتی ہے۔

ن لیگ، پی پی، جے یو آئی اور دیگر کی مخلوط حکومت کو دراصل وہی چیلنجز درپیش ہیں، جو یہ اپنی اپنی گزشتہ حکومتوں میں پی ٹی آئی کی حکومت کو ورثے میں دے کر گئے تھے۔ ان کے آنے پر بالکل اسی طرح ڈالر کو گرایا گیا ہے اور سٹاک مارکیٹ کو اُٹھایا گیا ہے، جیسے پی ٹی آئی کی حکومت کے آنے پر کیا گیا تھا۔ اس سلسلے میں پہلے مصنوعی طلب کے ذریعے ڈالر چڑھایا گیا اور پھر اسٹیٹ بینک کی ایماء پر کمرشل بینکس لگ بھگ چار ارب ڈالر کی رسد کے ذریعے اسی ڈالر کو واپس 181 روپے پر لائے۔ اور پہلے کی طرح یہ تأثر دینے کی کوشش کی گئی کہ کاروبار کا اعتماد بڑھ رہا ہے، لیکن اس اثنا میں قوم کا چار ارب ڈالر ضائع ہوگیا۔ اسی دوران آزاد اسٹیٹ بینک نے شرحِ سود میں اڑھائی فیصد کا اضافہ کردیا، تاکہ ہاٹ ڈالر کو پوری دنیا سے خوش آمدید کہا جائے اور پاکستان کے گرتے ہوئے زرِمبادلہ کے ذخائر کو سہارا ملے۔ یہ تو وہی حکمتِ عملی ہے جو پی ٹی آئی کی حکومت بروئے کار لائی تھی۔ چناں چہ معاشی پالیسی اور اس کے پاکستانیوں پر اثرات کے میدان میں ان بدلتے چہروں کے درمیان کیا فرق ہے؟ اس کا تعین کرنا خاصا مشکل کام ہے۔ موجودہ حکومت جو نیا کرسکتی ہے، وہ بھارت سے تجارت کا آغاز ہے، تاکہ مہنگائی کو لگام ڈالی جاسکے۔ بہ صورتِ دیگر ملک عزیز کی سلامتی ہماری مقتدرہ کی تباہ کن معاشی پالیسیوں کی نظر ہو، کوئی مضائقہ نہیں!؟ ہاں! اس کارِخیر میں بھارت حصہ لے، یہ ہو نہیں سکتا۔

نیٹو مظالم سے بچانے کی رُوسی حکمتِ عملی 2

مسئلہ یوکرین

گوربا چوف کے دوسرے مقالے کا نام ''پریسٹرائیکا'' تھا، یعنی ''معاشی تشکیلِ نو''۔ گوربا چوف کے نزدیک سوویت یونین کی معیشت کو بحال کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ریاستی معاشی ڈھانچے پر حکومتی عمل داری کم کردی جائے۔ سوویت انٹرپرائزز میں غیرملکی سرمایہ کاری کی اجازت دی جائے۔ معاشی ڈھانچے میں انفرادی اور پرائیویٹ سیکٹر کے داخلے کے لیے راہ ہموار کی جائے۔ ان کا مؤقف تھا کہ پرائیویٹ سیکٹر معیشت میں جدید اختراعات متعارف کرائے گا، جس کے نتیجے میں معیشت میں نئی سرمایہ کاری آئے گی۔ ملازمین کے ساتھ نئے کاروباری معاہدات کے نتیجے میں انھیں بہتر مراعات حاصل ہوں گی۔ 1922ء کے بعد پہلی دفعہ پرائیویٹ سیکٹر کو کاروبار میں داخلے کی اجازت دی گئی تھی۔ مزوروں کو اپنے حقوق اور بہتر اُجرتوں کے حصول کے لیے ہڑتال کرنے کا حق بھی حاصل ہوگا۔ یہ سارے اقدامات بہ ظاہر تو بہت اچھے نظر آرہے تھے، لیکن اس کے باوجود سوویت یونین زوال کا شکار کیوں ہوگیا؟

اصلاحات کے نتائج فوری طور پر ظاہر نہیں ہوتے، بلکہ اس کے لیے ایک عرصہ درکار ہوتا ہے، جب کہ گوربا چوف نے ریاستی گرفت کو ایک جھٹکے میں ختم کرنے کا اعلان کردیا تھا۔ دوسری طرف معیشت میں جس معاشی تصور ''مارکیٹ اکانومی'' کو متعارف کروایا جارہا تھا، وہ تو ابھی صحیح طریقے سے واضح بھی نہیں ہوا تھا۔ جن اقدامات کو نافذ العمل کیا جانا مقصود تھا، اس کے خدوخال طے کرنا ابھی باقی تھے۔ گوربا چورف کے الفاظ میں: ''نئے نظام کے آنے سے پہلے ہی پرانے نظام نے کام کرنا چھوڑ دیا تھا۔ منصوبہ بند معیشت اچانک معطل ہوجاتی ہے۔ اشیائے خدمات کی پیداوار اور اُن کی فراہمی کا نظام معطل ہوجاتا ہے۔ اشیائے ضروریہ کی قلت پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ عوام میں حکومت کے خلاف بددلی اور مایوسی پروان چڑھنے لگتی ہے''۔ گوربا چوف کا کہنا تھا کہ نئے نظام کے قیام کے لیے باقی دنیا کے ساتھ تعلقات کا قائم کرنا بھی بہت ضروری ہے۔ خاص طور پر امریکا کے ساتھ قریبی تعلقات کا قیام لازمی ہے۔ عالمی سطح پر تمام جنگی آپریشن ختم کرنے کا اعلامیہ جاری کردیا گیا۔ چناں چہ اسی تناظر میں افغانستان سے فوجیں — جہاں 1979ء سے جنگ میں مصروف تھیں — واپس بلانے کا اعلان کردیا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی مشرقی یورپ میں ''وارسا پیکٹ'' کے تحت تعینات فوجوں میں کمی کا اعلان بھی اسی سلسلے کی کڑی تھا۔ امریکا سے جنگ بندی کا معاہدہ ہوجاتا ہے۔

گوربا چوف کے دونوں مقالہ جات کے نفاذ کا جائزہ لیا جائے تو درجِ ذیل پہلو سامنے آتے ہیں: ایک پہلو کا تعلق اندرون ملک تو دوسرے کا بیرونی دنیا سے تھا۔ مشرقی یورپ کے ساتھ کیے گئے سارے اتحاد ریت کے گھروندے ثابت ہوتے ہیں اور سوویت یونین کے تمام اتحادی ایک ایک کر کے علاحدہ ہونا شروع ہوجاتے ہیں۔ 1989ء کے معاہدے کا پہلا اثر پولینڈ پر پڑتا ہے۔ وہاں ایک ٹریڈ یونینسٹ پارٹی ''سالیڈ ھیرٹی'' سامنے آتی ہے۔ یہ جماعت کمیونسٹ پارٹی سے پہلا مطالبہ آزادانہ انتخابات کا کرتی ہے۔ وہاں کی کمیونسٹ پارٹی کو ملکی انتظام پر اپنی گرفت قائم رکھنا مشکل ہوجاتا ہے۔ اس سلسلے میں سوویت یونین سے تعاون فراہم نہیں ہوتا۔ عوام میں سالیڈ ھیرٹی کی مقبولیت بڑھنا شروع ہوجاتی ہے۔ جس کا عملی اظہار انتخابات میں اس کی بہت بڑی کامیابی کی شکل میں سامنے آتا ہے۔ ان انتخابات کے نتائج سے مشرقی یورپ کے دیگر ممالک میں پُرامن تبدیلی کا عمل شروع ہوجاتا ہے۔

9/نومبر 1989ء کو دیوارِ برلن گر جاتی ہے۔ جس کے نتیجے میں کمیونسٹ اور نان کمیونسٹ مشرقی اور مغربی جرمنی ایک بار پھر دونوں ایک ہوجاتے ہیں۔ انھی دِنوں چیکوسلواکیہ میں ''ویلوٹ انقلاب'' کے ذریعے کمیونسٹ حکومت کا خاتمہ کردیا جاتا ہے۔ اسی طرح 1989ء میں جون سے دسمبر کے درمیان پولینڈ، ہنگری، چیکوسلواکیہ، بلغاریہ اور رُومانیہ کی کمیونسٹ حکومتیں ختم ہوجاتی ہیں۔

سوویت یونین بھی اس کے مہلک اثرات سے محفوظ نہیں رہتا۔ مشرقی یورپ میں پھیلنے والی اس تحریک کے اثرات جلد ہی سوویت یونین کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں۔ جہاں پورے کا پورا سماجی ڈھانچہ زمین بوس ہوجاتا ہے۔ بُری اقتصادی حالت کے باعث وہاں کا سماجی ڈھانچہ ہچکولے لینا شروع کردیتا ہے۔ سوویت یونین کے بعد ملحقہ ریاستوں میں بھی یہی تپش محسوس ہونا شروع ہوجاتی ہے۔ 1990ء کے بعد ایک ایک کر کے تمام ریاستیں علاحدہ ہوجاتی ہیں۔ سب سے پہلے بالٹک اسٹیٹس، یعنی اسٹونیہ (Estonia)، لیتھوآنیہ (Lithuania)، لیٹویہ (Latvia) سوویت یونین سے اپنی آزادی کا اعلان کردیتی ہیں۔ سوویت فوجیں ان ریاستوں میں آزادی کی تحریکات کے راستے میں رُکاوٹیں پیدا نہیں کرتیں۔

گوربا چوف فیصلہ کرتے ہیں کہ جمہوریوں کے ساتھ مل کر ایک نیا ڈی سنٹرلائزڈ معاہدہ کرلیا جائے۔ یعنی کومن ویلتھ آف انڈیپنڈنٹ اسٹیٹس / سی آئی ایس (Commonwealth of Independent States) ''آزاد ریاستوں کی دولتِ مشترکہ''۔ اس معاہدے کے تحت جمہوریوں کے مطالبات مان لینے سے انھیں پہلے سے زیادہ حقوق حاصل ہوجائیں گے، جس کے نتیجے میں سوویت یونین کا وجود بھی برقرار رہے گا۔ اس نئے معاہدے پر 20/اگست 1991ء کو دستخط ہونے جارہے تھے، لیکن کمیونسٹ پارٹی کے چند اہم عہدے دار، جن میں پارٹی کے نائب صدر گینیڈی یانیف (Gennady Yanayev) 18/اگست 1991ء کو بغاوت کردیتے ہیں اور گوربا چوف کو گھر میں نظر بند کردیا جاتا ہے۔ ان لوگوں کا مؤقف تھا کہ گوربا چوف کے اقدامات کے باعث روس کمزور ہوا ہے۔

جاری ہے

خطبات و بیانات

رپورٹ: سیّد نفیس مبارک ہمدانی، لاہور

عید دراصل قوم کا یومِ آزادی ہوتا ہے

یکم شوال المکرّم ۱۴۴۲ھ / 13 مئی 2021ء کو حضرت اقدس مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ لاہور میں خطبہ عید الفطر دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''معزز دوستو! یہ عیدالفطر کا پُرمسرت موقع ہے۔ آج ہم رمضان المبارک کی تکمیل پر اُس سنت کو ادا کرنے چلے ہیں، جو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے سب سے پہلے ۲ ہجری کے رمضان المبارک کی تکمیل پر ادا کی تھی۔ ۲ ہجری کا رمضان المبارک وہ بابرکت مہینہ ہے، جس میں سترہ رمضان المبارک کو غزوۂ بدر ہوا اور دُشمن پر نبی اکرم ﷺ نے فتح حاصل کی اور کامیابی ملی۔ مجاہدہ ہوا، دلوں کا تزکیہ بھی ہوا اور انسانیت کی ترقی کا راستہ بھی کھلا۔ انسانیت کے لیے ایک ایسی شاہراہ واضح ہوئی، جس سے وہ غلامی سے نجات حاصل کرنے کے طور طریقے کو درست طور پر سمجھ پائی۔ اس کا آغاز اسی رمضان المبارک سے ہوا تھا۔ اس کی خوشی میں نبی اکرم ﷺ نے عیدالفطر منائی۔ پھر ہر رمضان المبارک کے اختتام پر آپؐ یہ سنت ادا کرتے رہے۔ پھر یہی وہ ماہِ مبارک ہے کہ جس میں فتح مکہ ہوئی۔ مکہ کا قومی نظام، جو بت پرستی، ظلم اور کفر پر مبنی تھا، وہ ختم ہوا۔ دینِ اسلام کے قومی غلبے کا ایک نظام قائم ہوا اور یہی قومی غلبہ اسلام کے بین الاقوامی انقلاب کا ذریعہ بنا۔

عید دراصل کسی قوم کا یومِ آزادی ہوتا ہے اور یومِ آزادی ہی وہ اہم ترین عمل ہے، جو کسی قوم کے اندر وہ جوش اور جذبہ بیدار کرتا ہے، جو اُس قوم کے فکر و نظریے میں موجود ہوتا ہے۔ جس دن فرعون دریائے نیل میں غرق ہوا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو اس سے نجات دلا کر آزادی اور حریت سے ہم کنار کیا تو وہ اُن کی عید کا دن تھا اور اس دن انھیں روزہ رکھنے کا حکم دیا گیا۔ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا عید کا دن عیدالفطر ہے اور عیدالاضحیٰ ہے، جس میں روزہ چھوڑنے کا فرمایا گیا۔ اس فرق کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم ''قوی الحیوانیت'' تھی۔ حیوانیت کے حوالے سے اُن میں شدت تھی۔ (تاویل الاحادیث، از امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ) اس لیے اُن کی عبادات کا انداز اور اُن کے یومِ آزادی کے منانے کا طریقہ بھی روزے پر مشتمل تھا کہ وہ آزادی اور عید کے دن کو روزہ رکھ کر منائیں۔ اسی طرح اُن کے اوپر روزے اور دیگر چیزیں بڑی شدت کے ساتھ نافذ کی گئیں۔ کیوں کہ جیسی جسمانی ساخت ہوتی ہے، ویسے ہی اُن کے لیے اعمال اور کردار متعین کیے جاتے ہیں۔

اُمتِ محمدیہ ﷺ پر اللہ نے بڑا رحم اور شفقت فرمائی کہ آزادی اور حریت کے دن کو مسرت اور شادمانی کا دن بنا دیا۔ فطر یعنی روزہ چھوڑنے کا دن بنا دیا کہ اُس دن سے پہلے روزے رکھو۔ اور اس دن رمضان المبارک کے روزوں کے بعد افطار کرو۔ یہ اُمتِ محمدیہؐ پر رحمت اور شفقت ہے کہ وہ سختی اور شدت جو اللہ پاک نے یہودیوں پر کی تھی، وہ مسلمانوں سے ختم کردی گئی، جیسا کہ قرآن حکیم میں کہا گیا ہے''۔

عید کے دن کے آداب اور کرنے کے کام

حضرت آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے مزید فرمایا:

''عیدالفطر محبتیں تقسیم کرنے اور انسانوں کے ساتھ خیر خواہی کا دن ہے۔ اس لیے نبی اکرم ﷺ نے جب یہ دن منایا تو حکم دیا کہ اس دن میں ایک تو نمازِ عیدالفطر ادا کرو۔ اللہ کے سامنے سجدۂ شکر بجا لاؤ۔ یہ اللہ کی مہمانی کا دن ہے۔ اس دن روزہ نہیں رکھنا۔ عید کے دن ہاتھ باندھ کر اللہ تعالیٰ کے دربار میں کھڑے ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ کی بڑائی اور کبریائی عام نمازوں کے مقابلے میں زیادہ طاقت و قوت اور تکبیرات کی زیادہ تعداد اور مقدار کے ساتھ ادا کرو۔ جو قوم جس نظریے اور فکر پر ہوتی ہے اور جس چیز کو اپنے تمام اُمور کی انجام دہی کے لیے مرکز اور محور بناتی ہے، اُسی کی بڑائی کا اعلان کرتی ہے۔ مکہ کے مشرک کسی ہُبُل اور بعل کے نام کو بلند آواز سے پکارتے تھے کہ یہ بہت اونچے درجے کے ہیں۔ نبی اکرمؐ نے ان کی تردید میں فرمایا کہ اعلان کردو کہ ''اللّٰہ أکبر، اللّٰہ مولانا و لا مولا لکم'' کہ اللہ ہمارا مولا ہے اور ہم اللہ کی بڑائی کا اعلان کرتے ہیں۔

عیدالفطر کی نماز کے لیے آمد سے پہلے کوشش کریں کہ صدقہ فطر ادا کر کے آئیں۔ عید کی نماز کے لیے جاتے ہوئے ایک راستے کا انتخاب کریں اور اپنے گھر کو واپس جائیں تو دوسرے راستے سے جائیں۔ آتے اور واپس جاتے وقت بلند آواز سے ''اللّٰہ أکبر، اللّٰہ أکبر، لا الٰہ إلّا اللّٰہ، و اللّٰہ أکبر، اللّٰہ أکبر، و للّٰہ الحمد'' کا اعلان کرتے رہیں۔ عید کی نماز سے فارغ ہو کر ایک دوسرے سے ملیں، معانقہ کریں، خوشی اور مسرت سے ایک دوسرے کو دیکھیں، مبارک باد دیں، والدین سے پیار لیں، اپنی اولاد کو پیار دیں، اپنے عزیز و اقارب کے ساتھ پُرمسرت گفتگو کریں، لڑائی جھگڑے، جنگ و جدل اور بدامنی سے بچیں اور اجتماعیت کو برقرار رکھیں۔

اس لیے اس عیدالفطر کے بارے میں یہ بات واضح کردی کہ اس دن میں اختلافات اور جھگڑے کی کوئی نوعیت نہیں ہونی چاہیے۔ عیدالفطر کے چاند کے حوالے سے حکومت جو اعلان کردے، اجتماعیت جس بات کا فیصلہ کردے، ہر آدمی کو اس اجتماعیت کو برقرار رکھنا ضروری ہے۔ اس کے مقابلے پر فتنہ و فساد کرنا، طرح طرح کے اپنے اپنے فتوے جاری کرنا، یہ سب غلط ہے۔ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ ہر ریاست اس کام کے لیے ایک اتھارٹی بنائے اور اس اتھارٹی کی ذمہ داری یہ ہے کہ پوری دیانت داری کے ساتھ تمام شہادتیں اکٹھی کر کے ایک ریاستی فیصلہ کرے۔ اُس ریاست کے تمام لوگوں کے لیے لازمی ہے کہ اُس فیصلے کو مانیں۔ بلاوجہ کے شکوک و شبہات پیدا کرنا اور اعتراضات کرنا درست نہیں ہے۔ اس فیصلے کو نہ ماننا اور انفرادی طور پر روزہ رکھنے یا روزہ چھوڑنے کا اعلان کرنا، اجتماعیت کو توڑنے کا عمل ہے۔ رمضان المبارک کے روزے بھی اجتماعی ہیں اور عیدالفطر کا دن بھی اجتماعی ہے۔ اس اجتماعیت کو برقرار رکھنا اس دن کی پہلی شرط ہے''۔

چاند دیکھنے والی اتھارٹی کو ماننا سب پر لازم ہے

حضرت آزادرائے پوری مدظلہٗ نے مزید فرمایا:

’’یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ ضروری نہیں ہے کہ کسی بھی قمری مہینے کے دن تیس ہی ہوں، اُنتیس بھی ہو سکتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ: ’’مہینہ کبھی اُنتیس کا بھی ہوتا ہے‘‘۔ (بخاری: 1907) اُنتیس کا مہینہ بھی قانونی اور شرعی ہے۔ اگر شہادتوں سے ثابت ہو جائے کہ چاند کی گواہی ہو چکی ہے تو پھر اُنتیس کا مہینہ پورا ہو چکا۔ اب اُس پر یہ فتوے جاری کرنا کہ ایک روزہ قضا کرو، قطعی طور پر درست نہیں ہے۔ اگر چاند کی شہادتیں ہو چکی ہیں اور ریاست نے اعلان کر دیا ہے تو رمضان مکمل ہو گیا، فریضہ ادا ہو گیا۔ اب کوئی فریضہ باقی نہیں رہا کہ جس کی قضا کرنے کی ضرورت پیش آئے۔

جب مسلمانوں کا نظام ختم ہوا تو عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ سے متعلق فیصلہ سازی کا عمل علما نے اپنے ذمے لے لیا۔ اُس کے لیے ہر شہر کے علما نے اپنی اپنی کمیٹیاں بنائی ہوئی تھیں اور اُن کمیٹیوں کے ذریعے سے اپنی شہادتوں کا نظام بنا کر اپنے اپنے علاقے کے لیے نئے مہینے کے چاند دیکھنے کا فیصلہ کر لیتے تھے۔ یہ تو غلامی کے زمانے میں مجبوری تھی کہ ہماری ریاست پر انگریز سامراج کا قبضہ تھا، لیکن جب ایک ریاست دعوے دار ہو کہ ہم نے اسلام کے نام پر ملک بنایا ہے، اور مسلمانوں کی اکثریت بھی ہو، اور خود علما اور تمام مفتیوں کے مشورے سے ایک اتھارٹی قائم کی گئی ہو، سرکاری طور پر ایک ادارہ ’’رؤیتِ ہلال کمیٹی‘‘ کی صورت میں تشکیل دے دیا گیا ہو تو پھر تو اُس کے تمام احکامات بھی سب پر لاگو ہوں گے۔ کوئی انفرادی طور پر اپنے فرقے اور گروہیت کی بنیاد پر کہے کہ میں نے فیصلہ نہیں ماننا، کیوں کہ مجھے عید کا چاند نظر نہیں آیا، تو یہ غلط طریقۂ کار ہے اور اجتماعیت کو توڑنا اور افتراق پیدا کرنا ہے۔ اور یاد رکھو! افتراق بین المسلمین بڑا جرم ہے۔

خود نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ’’صلُّوا خلفَ کلّ بِرّ و فاجِر‘‘ (نماز پڑھ لو۔ امام چاہے نیک ہو یا فاجر)۔ اس سلسلے میں امیر المؤمنین خلیفۃ المسلمین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا اُسوۂ حسنہ بھی ہمارے سامنے رہنا چاہیے کہ جب باغیوں نے مسجدِ نبویؐ پر قبضہ کر لیا، حضرت عثمانؓ کو اُن کے مکان میں محصور کر دیا، تو آپؓ اپنے مکان کی چھت پر کھڑے تھے۔ ایک صحابیؓ گلی میں پھر رہے تھے۔ اور اُدھر مسجدِ نبویؐ میں جماعت کھڑی تھی۔ باغیوں کا لیڈر مسجدِ نبویؐ میں جماعت کرا رہا تھا۔ حضرت عثمانؓ نے اُن صحابیؓ سے پوچھا کہ تم نماز میں کیوں شریک نہیں ہو رہے؟ انھوں نے کہا: اے امیر المؤمنین! یہ غاصبین ہیں۔ نماز پڑھانا تو آپ کا فرض تھا۔ آپ کو انھوں نے محصور کر دیا، آپ نماز نہیں پڑھا رہے تو اس باغی کے پیچھے میں نماز کیسے پڑھوں؟ حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ: میں حکم دیتا ہوں کہ دیکھو! جب یہ بُرا کام کریں تو اُن کی برائی میں ساتھ نہ دینا۔ اور جب یہ اچھا کام کریں تو پھر ان کی اتباع کرنا۔ کیوں کہ جماعت سے علاحدہ ہونا فتنہ ہے اور فتنے کی ذمہ داری میں اپنے اوپر نہیں لینا چاہتا‘‘۔

عید اجتماعیت کا دن، تفرقے سے بچنا ضروری ہے

حضرت آزادرائے پوری مدظلہٗ نے مزید فرمایا:

’’عیدالفطر کا دن اجتماعیت کو برقرار رکھنے اور اجتماعی مسائل پر غور و فکر کرنے کا دن ہے۔ سسٹم کی خرابی کو سمجھنے کا عمل ہے۔ افتراق و انتشار پیدا کرنے والے طبقات دیگر معاملات میں تو سسٹم کے آلۂ کار ہوتے ہیں کہ جہاں سیاسی سسٹم ظلم کا ہے۔ معاشی نظام سرمایہ پرستی کا ہے۔ سماجی تعلقات افتراق و انتشار کے ہیں۔ عالمی سرمایہ داری نظام مسلط ہے۔ اُس کے خلاف یہ طبقات دین کا کوئی نظریہ نہیں بیان کریں گے۔ وہ تخلیقی معاشی نظام، جس سے پیداوار بڑھے اور ہمارا ملک اپنے پاؤں پر کھڑا ہو، اُس کے لیے نہ منبر و محراب سے آواز اُبھرتی ہے، نہ کسی سائنس دان کے دماغ میں خیال آتا ہے۔ سائنس بھی تب یاد آتی ہے، جب عید کے چاند کا معاملہ ہو۔ کبھی معاشی نظام کی ترقی کے حوالے سے سائنس نے کوئی پروڈکٹ تیار کی؟ کوئی ایسی ایجاد دکھاؤ کہ جس سے تمھاری سائنسی کارکردگی سے تخلیقی صلاحیتیں بڑھی ہوں، جس سے امن و امان اور ڈسپلن قائم ہو، انسانیت ترقی کرے، غربت اور مہنگائی کا خاتمہ ہو، اس کے لیے تو کوئی بات نہیں کرتا۔ سائنس کے حوالے سے جھگڑا ہے تو چاند کے نام پر، جھگڑا ہے تو اجتماعیت کے توڑنے اور تفریق پیدا کرنے کا، فرقہ واریت پھیلانے کا۔ یہ بہت بڑی خرابی کی بات ہے۔

بعض لوگ معانقے کے موضوع پر جھگڑ رہے ہوتے ہیں کہ جی معانقہ کرنا جائز ہے یا ناجائز۔ بھئی! عیدؑ مسرت کا دن ہے اور معانقے کے بغیر مسرت کا اظہار کیسے ہوگا؟ ایک دوسرے سے مبارک باد کیسے ہوگی؟ ہاں! اس مصافحے اور معانقے کو فرض سمجھ لینا، یا دین کا کوئی لازمی جز بنا لینا، کہ ہر حال میں معانقہ کرو گے تو دین ہوگا، نہیں کیا تو آپ گویا کہ دین سے خارج ہو گئے، یہ درست نہیں ہے۔ یہ بدعت اور خرابی کی بات ہے۔ معانقہ کرنا مسنون اور مستحب ہے۔ ایک دوسرے کے ساتھ محبت کا اظہار ہے۔ یہ دلی جذبات کے اظہار کا ذریعہ ہے۔ اس کے لیے فتوؤں کی ضرورت نہیں کہ جی دو آدمیوں نے معانقہ کیا تو انھوں نے بدعت کر لی، گناہ کر لیا۔ ذرا ذرا سی بات پر لڑنا جھگڑنا، نئے نئے فتوے جاری کرنے کا ماحول بن گیا ہے۔ کیوں کہ ’’مفتی‘‘ تو تب لگیں گے، جب فتویٰ جاری کریں گے!؟ وہ فتویٰ چاہے انتشار کا باعث ہی کیوں نہ بن رہا ہو۔

یہ دراصل وہ خرابیاں ہیں، جو اس زوال اور غلامی کے زمانے میں ہمارے دماغوں میں پیدا کر دی گئیں۔ یہ وہ زوال کی بات ہے، جو آج ہمارے مذہبی طبقات کی بدنامی کا ذریعہ ہے۔ ہماری سیاسی لیڈرشپ کے دیوالیہ پن کا ثبوت ہے۔ ہمارے نظام کے منہ پر طمانچہ ہے کہ ہم اپنی اس اجتماعیت کو بھی توڑ پھوڑ کر انتشار کا شکار بنا دیتے ہیں۔ اجتماعیت کو برقرار رکھنا، انسانی عظمت اور اُس کی ترقی کے لیے کردار ادا کرنا آج ہماری ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس دن کی تمام اُن ذمہ داریوں کو اچھے طریقے سے سمجھنے اور اُن کے مطابق اپنی زندگی بسر کرنے کی توفیق عطا فرمائے‘‘۔ (آمین!)

وسیم اعجاز، کراچی

مفکرِ اَحرار چوہدری افضل حقؒ

تحریکِ ترکِ موالات، تحریکِ خلافت، مجلسِ اَحرار اور کشمیر میں ہونے والے مظالم کے خلاف جاری رہنے والی تحریکات میں کردار ادا کرنے والے ناموں میں ایک اہم نام مفکرِ اَحرار چوہدری افضل حقؒ کا بھی ہے۔ بالخصوص پنجاب اور بالعموم پورے ہندوستان کی تحریکات میں آپؒ نے سرگرمی سے کردار ادا کیا۔ نہ صرف یہ کہ اپنی علمی قوتیں اس مقصد میں صَرف کیں، بلکہ اپنے زورِ قلم سے حریت و آزادی کی شمعیں روشن رکھیں۔ آپؒ کی تحاریر اس قدر مؤثر ہیں کہ قاری' پڑھتے ہوئے ان کے سحر میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

چوہدری افضل حقؒ 1891ء کو گڑھ شنکر (ضلع ہوشیار پور) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم امرتسر ہی میں حاصل کی۔ میٹرک کے بعد 1910ء میں اسلامیہ کالج لاہور میں داخل ہوئے۔ ابھی زیرِ تعلیم ہی تھے کہ روزگار کے سلسلے میں 1917ء میں پولیس میں ملازمت اختیار کی۔ بیسویں صدی کی دوسری دہائی اس حوالے سے بہت اہم ہے کہ اس دوران ملک گیر تحریکاتِ آزادی جاری تھیں۔ 1921ء میں تحریکِ خلافت اور تحریکِ ترکِ موالات کے سلسلے میں مولانا سیّد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ ایک مجمع سے خطاب فرما رہے تھے۔ اس اجتماع میں چوہدری افضل حقؒ کی ڈیوٹی لگی ہوئی تھی۔ اسی دوران موصوف نے شاہ صاحبؒ کی پوری تقریر سنی اور اس قدر متأثر ہوئے کہ سرکاری نوکری کو خیر باد کہہ کر تحریکِ خلافت میں شریک ہو گئے۔ تحریکِ ترکِ موالات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اس جدوجہد کی پاداش میں آپؒ کو 1922ء کو گرفتار کر لیا گیا۔ تقریباً 6 ماہ تک قید رہے۔ جیل میں جن تجربات سے آپؒ کو گزرنا پڑا، ان پر مشتمل ایک کتاب ''دنیا میں دوزخ'' کے نام سے تحریر کی۔ اس کتاب سے آپؒ کی تحریری سرگرمیوں کا آغاز ہوتا ہے۔

سوامی دیانند اور سوامی شردانند کی جانب سے شُدھی کی تحریک کا آغاز ہوا تو اس کی مخالفت میں نمایاں نام بھی چوہدری افضل حقؒ کا ہی ہے۔ اپنی تحاریر و تقاریر کے ذریعے ہر پلیٹ فارم پر اس تحریک کے خلاف اپنا مؤقف واضح طور پر بیان فرمایا۔ اس مسئلے پر ایک کتاب ''فتنۂ ارتداد اور پولیٹیکل قلابازیاں'' تحریر کی۔ 1924ء میں قانون ساز اسمبلی پنجاب کے رُکن منتخب ہوئے۔ اسمبلی کے پلیٹ فارم سے بھی حریت و آزادی کا نعرۂ حق بلند کرتے رہے۔ 1929ء میں ''مجلسِ احرارِ اسلام'' کی بنیاد رکھی گئی تو اس مجلس کے بانی اراکین میں آپؒ کا شمار ہوتا ہے۔ اپنی تمام تر توانائیاں اس مجلس کی ترقی اور فروغ میں صَرف کیں۔ سول نافرمانی کی تحریک میں شرکت کی پاداش میں 1930ء میں دوسری بار گرفتار ہوئے۔ گورکھپور جیل میں ''زندگی'' نامی کتاب تحریر کی۔

1931ء میں رِہا ہو کر جب واپس لاہور تشریف لائے تو اس وقت کشمیر میں ڈوگرا راج کی جانب سے وہاں کی عوام پر بے حد مظالم جاری تھے۔ اس ظلم کے خلاف بھی آپؒ نے مجلس کی جانب سے آواز بلند کی۔ یہ آواز ایک وقت میں تحریکِ کشمیر کی شکل اختیار کر گئی تھی۔ ان مظالم کے خلاف کردار ادا کرنے کی وجہ سے گرفتار کر کے ملتان جیل بھیج دیے گئے۔ زندگی کے اسی دورانیہ میں کتب: ''جواہرات''، ''شعور'' اور ''آزادئ ہند'' تحریر کیں۔

حضرت اقدس مولانا شاہ عبدلقادر رائے پوریؒ نے ایک بار چوہدری صاحب مرحوم کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ: ''چودھری (افضل حق) صاحبؒ خوب آدمی تھے۔ ایثار کا مادہ بہت زیادہ تھا۔ جب ممبر اسمبلی تھے تو روپیہ اَوروں پر خرچ کر دیتے۔ خود مکئی کی روٹی اور چٹنی وغیرہ پر گزر کر لیتے۔ ایک عجیب بات ہے۔ اللہ کے دین کا کیا کہیے۔ (قادیانیوں کے خلاف) کشمیر کی تحریک میں مرحوم سے کوئی اخلاص کا کام ہو گیا ہوگا۔ اخلاص کی برکت سے ان پر ایسے اَنوار طاری ہو گئے تھے کہ بڑے ذاکر و شاغل لوگوں پر ہوا کرتے ہیں۔ اور (اُن پر) ایسی کیفیتیں طاری ہونے لگی تھیں' جو بڑی مبارک ہوتی ہیں''۔

1939ء میں ہندوستانی قوم کے لیے ایک اہم مسئلہ یہ درپیش ہوا کہ دوسری جنگِ عظیم کا آغاز ہوا تو انگریز سرکار نے ہندوستانیوں کو اس جنگ کے لیے بھرتی کرنے میں تیزی کی۔ اس بھرتی کے خلاف بھی آپؒ نے تحریک کا آغاز کیا اور نوجوانوں میں اس کے مضمرات کو اُجاگر کیا۔ شعور کی بیداری کی اس تحریک کی وجہ سے چوتھی بار گرفتار کیے گئے اور راولپنڈی کی جیل میں قید کر دیے گئے۔ اس قید کے دوران بھی آپؒ نے اپنا کام جاری رکھا۔ قیدیوں کو اس بھرتی کے نقصانات سے آگاہ کرتے رہے۔ اسی قید کے دوران آپؒ نے اپنے بچوں کے نام نصیحت آموز خطوط تحریر کیے، جنھوں نے بہت شہرت حاصل کی، جو بعد ازاں ''خطوط افضل حق'' کے نام سے شائع بھی ہوئے۔ بلاشبہ یہ خطوط آج بھی نئی نسل کی تعمیرِ سیرت کے لیے مشعلِ راہ ہیں۔ یہ وہ دور تھا، جس میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان انگریز سرکار نے کشیدگی پیدا کر دی تھی۔ ''لڑاؤ اور حکومت کرو'' کی پالیسی پر تقسیم کا منصوبہ بن رہا تھا۔ اسی دوران ہندو مسلم مسئلے پر کتاب ''پاکستان اور اچھوت'' تحریر کی۔

مجلسِ اَحرارِ اسلام میں قائدانہ کردار ادا کیا۔ اپنی تحریروں اور تقریروں میں واضح مؤقف کی بنا پر ہی آپؒ کو ''مفکرِ اَحرار'' کے لقب سے جانا جاتا ہے۔ آپؒ کو مجلسِ اَحرارِ اسلام کا دماغ کہا جاتا ہے۔ مجلس کی تاریخ کے حوالے سے ''تاریخِ اَحرار'' کے نام سے کتاب تحریر کی، جس میں مجلس کی سرگرمیوں اور نمایاں اُمور کی تاریخ بیان کی گئی ہے۔ موصوف کی دیگر کتب میں ''دینِ اسلام''، ''محبوبِ خدا''، ''اسلام میں اُمراء و بادشاہ کا وجود نہیں''، ''معشوقہ پنجاب''، ''میرا فسانہ''، ''دیہاتی رُومان'' اور ''پورن بھگت کی کہانی'' شامل ہیں۔ آپؒ کے خطبات بھی ''خطباتِ اَحرار'' کے نام سے شائع ہوئے۔

20/دسمبر 1941ء کو مجلسِ اَحرارِ اسلام کی ورکنگ کمیٹی کے اجلاس میں شرکت کے دوران آپؒ کو دمہ کی شکایت ہوئی، جو کہ وقت کے ساتھ بڑھتی گئی۔ 8/جنوری 1942ء کو آپؒ نے اس جہانِ فانی کو الوداع کہا اور جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔ نمازِ جنازہ حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ نے پڑھائی۔ قبرستان میانی صاحب لاہور میں آسودہ خواب ہیں۔ مولانا ظفر علی خاںؒ نے آپؒ کے وصال پر یہ اشعار فرمائے ؎

رونقِ کاشانۂ اَبرار' اَفضل حق سے تھی — مستیٔ خم خانۂ اَحرار اَفضل حق سے تھی
اس کی مرگِ ناگہاں گھر کو نہ لے بیٹھے کہیں — کیوں کہ پشتیبانیٔ دیوار افضل حق سے تھی

اللہ تعالیٰ ہمیں ان اکابرین کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

اقوالِ زرّیں

حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ

انتخاب: حافظ محمد شفیق، لاہور

1۔ نوجوان طبقے کی قوتِ عمل مضمحل کردی گئی ہے

نوجوان طبقے کو بے مقصد تعلیم میں اُلجھا کر اس کی قوتِ عمل مضمحل کر دی گئی ہے۔ اسے فکری انتشار کا شکار کر دیا گیا ہے۔ اس کی صلاحیتیں اُجاگر ہونے کی بجائے ختم ہو کر رہ گئی ہیں۔ عوام کو معاشی مسائل میں اُلجھا دیا گیا ہے۔ اسے کسبِ مال سے فرصت میسر نہیں آتی۔ جس کی بنیاد پر وہ ملکی و قومی سطح پر کوئی کردار ادا کرنے سے یکسر قاصر ہے۔ میدانِ سیاست پر مغرب کی روحانی اولاد، سرمایہ دار طبقے اور عیاش خوشامدیوں نے قبضہ کر رکھا ہے۔ شریف لوگ گوشۂ عافیت میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ ہر آنے والا، خوش کن نعرہ لے کر قوم کی ہمدردیاں حاصل کر لیتا ہے اور کامیاب ہونے کے بعد اپنی من مانی کرتا ہے۔ (عزم سیریز نمبر 05۔ مئی 1975ء)

2۔ تنظیم کا مقصد

تنظیم کا مقصد یہ ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے پروگرام کو سمجھیں، ان کے افکار کو سمجھنے کے لیے بیداری پیدا کریں۔ ہم سب ان کا نام لیتے ہیں اور ان کی عقیدت و احترام کے جذبات بھی اپنے اندر رکھتے ہیں، لیکن ہمیں یہ اعتراف بھی کرنا ہوگا کہ ہم ابھی شاہ صاحبؒ کے نظریات و پروگرام سے ناواقف ہیں۔ ہمارے اکابرؒ نے اس پر کافی محنت کی، ہم نے اسے باقی نہیں رکھا۔ لہٰذا یہ آگاہی ضروری ہے کہ یہ تنظیم کوئی نئی تحریک نہیں اور نہ ہی اس کے کوئی نئے مقاصد ہیں، بلکہ اکابرِ حقؒ کے افکار و خیالات کو آگے بڑھانے کی تحریک ہے۔ کوئی جماعت محض عقیدت سے قائم نہیں رہ سکتی اور نہ اپنے مقصد کو پا سکتی ہے۔ عقیدت کا مقصد یہ ہونا چاہیے کہ کسی پروگرام کو سمجھ کر اس پروگرام کو پھیلانے کی جدوجہد کی جائے اور محنت سے کام کیا جائے۔ (عزم نمبر 49۔ 1982ء)

3۔ دین کی فضا تا قیامت رہے گی

ہمارا شرح صدر ہے کہ دینِ اسلام سچا دین ہے، لیکن کیا وجہ ہے کہ کروڑوں روپے مساجد و مدارس کی تعمیر اور تبلیغ و تعلیم کی اشاعت پر خرچ ہو رہا ہے، مگر دلوں پر شکستگی اور مایوسی کے آثار ہیں؟ حال آں کہ یہ دین ناکامی کے لیے نہیں آیا، وہ تو دینِ فطرت ہے اور فطرت کو دبایا نہیں جا سکتا، جیسا کہ سازگار موسم میں بیج نم زمین میں ہو تو اُس سے پودے کو نکلنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ یہ سوچنے کا مقام ہے کہ باطل تو مفلوج ڈھانچوں کے ذریعے طاقتور ہو رہا ہے اور سچا دین، جس پر مخلص خرچ کر رہے ہوں، اس کے ماحول میں زوال اور اس کے مذہبی طبقے میں پستی اور مایوسی آ رہی ہو!؟ درحقیقت ہم نے دین کی صحیح سوچ کو چھوڑ دیا اور اپنے من مانے طریقے اختیار کر لیے، جس کے نتیجے میں آج مذہبی آدمی بھی شکوہ کر رہا ہے کہ دین کی فضا نہیں ہے، حال آں کہ تا قیامت فضا رہے گی۔

(عزم سیریز نمبر 48۔ اکتوبر نومبر 1982ء)

4۔ دینی سیاست کی اہمیت

جب دین کی سیاست نہ رہے گی تو معاشرے پر ظالموں کا غلبہ ہو جائے گا۔ جس کی وجہ سے معاشرے میں فساد ہوگا۔ مذہبی لوگ ان کی سیاست کے تابع ہو کر فیل ہو جائیں گے۔ جب تک دین کے تمام شعبوں کے قیام کی جدوجہد کو نیکی نہ سمجھا جائے تو کامیابی نہیں ہو سکتی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ یہودیوں کے مذہبی طبقے کے بارے میں فرماتے ہیں کہ: ’’ہم نے ان پر ذلت اور مسکنت کا عذاب مسلط کر دیا۔‘‘ یہ نہیں ہو سکتا کہ سچی دینی جماعت ہو اور وہ عذابِ الٰہی میں مبتلا ہو۔ (عزم نمبر 112۔ جولائی اگست 1992ء)

5۔ آج مسلمانوں کی کمزوری

آج مسلمانوں کی سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ انھیں ذرائع ابلاغ بہکا لے جاتے ہیں۔ مغرب کا پراپیگنڈا اُن کے ذہنوں کو سوچنے سے روک دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج مسجد میں جدید تعلیم یافتہ طبقہ مسجد کے خطیب کی باتوں کو لائقِ اعتناء نہیں سمجھتا، لیکن اخبارات پر بلا سوچے سمجھے ایمان لے آئے گا۔ حال آں کہ صحافیوں کی اکثریت اپنی پالیسیاں فروخت کرتی ہے۔ ایک بڑا اخبار تو لاکھوں کے ذہنوں کو بگاڑ سکتا ہے اور مسجد کا وعظ ایک کی بھی ذہن سازی نہیں کرتا۔ خطیب کو کہا جاتا ہے کہ آپ بخاری شریف کے حوالے سے بات کریں، مگر ’’نوائے وقت‘‘ کی خبر کے خلاف کوئی بات نہیں۔ ایسے میں مسجد کے مجمعے کس طرح علمائے کرام کی طاقت روک سکتے ہیں۔ دین کی طاقت وہ ہے، جو نظامِ ظلم کے خلاف ایک فکر رکھتی ہو اور اس کے مقابلے کے لیے تیار ہو۔

(عزم سیریز نمبر 48۔ اکتوبر نومبر 1982ء)

بقیہ

موجودہ سیاسی بحران اور حقیقی آزادی کے تقاضے

لیکن بغیر کسی جماعتی تیاری اور نظام کی تبدیلی کے ایسے دعوؤں کو محض ووٹ بینک کے لیے استعمال کیا جائے تو یہ بھی ویسا ہی ایک سیاسی حربہ ہے، جیسے پہلے سیاست دان مقبول بیانیوں کو اپنے سیاسی مفادات کے لیے استعمال کرتے رہے ہیں۔

کسی بھی قوم کا وقار اور غیرت اس ملک کی آزاد تجارت و معیشت اور خود مختار قومی نظامِ تعلیم، آزاد خارجہ پالیسی جیسے اُمور سے ہوتا ہے۔ ہم ان سب چیزوں میں بُری طرح پستی اور زوال کا شکار ہیں، لیکن ہماری سابق حکومت کی ایلیٹ صرف جلسوں سے خطاب اور لاؤڈ سپیکروں پر نغمے چلا کر قوم کی ’’غیرت‘‘ کو بحال کرنے نکلی ہوئی ہے۔ ہمارے یہ بابو ’’اِمپورٹڈ_ حکومت _نامنظور‘‘ کا ٹرینڈ تو چلا رہے ہیں، لیکن اِمپورٹڈ سرمایہ داری نظام سے ان کی صلح ہے۔ قومی سلامتی، عدالتی ماحول، صحت، تعلیم اور معیشت سے لے کر نہ جانے کہاں کہاں ہمارے پاؤں اِمپورٹڈ بیڑیوں میں جکڑے ہیں۔

آج ضرورت اس امر کی ہے کہ اِمپورٹڈ حکومت سے زیادہ اس اِمپورٹڈ نظام سے قوم کی گلوخلاصی کے تقاضے پورے کیے جائیں۔ (مدیر)

Monthly **RAHIMIA** Lahore CPL No. 59

منظوم

شاعر: سیّد عابد علی وجدیؒ (بھوپال) مرسلہ: وسیم اعجاز، کراچی

1857ء میں شاملی کا معرکۂ جہاد

(ہندوستان کی تحریکاتِ آزادی میں 1857ء کی جنگِ آزادی ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ آزادی کی یہ تحریک ہندوستان گیر تحریک تھی، جس میں بلاتفریق رنگ، نسل، مذہب ہندوستان کے لوگوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اس جنگِ آزادی میں ولی اللّٰہی تحریک کے رہنماؤں نے بھی اپنا بھرپور کردار ادا کیا۔ ان رہنمایان میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ قابلِ ذکر ہیں۔ انھیں حضراتؒ کی مساعی کو حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کے ایک شاگرد اور بھوپال کی معروف شخصیت سیّد عابد علی وجدیؒ (چیف جسٹس ریاست بھوپال، وفات: اکتوبر 1990ء) نے شان دار الفاظ میں خراجِ تحسین کرتے ہوئے شاملی کے میدان میں ہونے والی جدوجہد کو منظوم انداز میں پیش کیا ہے۔)

بے محابا اس جماعت نے اُٹھایا پھر قدم
اپنے کندھوں پر اُٹھایا پھر بغاوت کا علم

اس جہادِ حریت میں سب ہی حق آگاہ تھے
قافلہ سالار اس کے حاجی امداد اللہؒ تھے

حضرت قاسمؒ ، رشید احمدؒ تھے اس میں سربراہ
تھے ولی اللّٰہی جماعت کے یہ سب نور نگاہ

فتح کر کے بڑھ رہے تھے اہلِ عرفان و یقین
شاہدِ عادل ہے ، اس پر شاملی کی سرزمین

غدر سے اپنوں کے پھر پانسہ پلٹ کر رہ گیا
سارا ہنگامہ بغاوت کا سمٹ کر رہ گیا

خوب ڈھایا ملک میں جور و ستم انگریز نے
لال قلعہ پر اُڑایا پھر علم انگریز نے

ظالموں کے پنجے جب نظمِ ملکی آ گیا
ملک جور و ظلم کی تلوار سے تھرّا گیا

(بھوپال تاریخ کے آئینے میں، از سیّد عابد علی وجدیؒ، ص: 380)

دینی مسائل

اس صفحے پر قارئین کے سوالات کے جوابات دیے جاتے ہیں!

از حضرت مفتی عبدالقدیر شعبۂ دارالافتا ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

سوال میاں اور بیوی دونوں کماتے ہیں۔ بیوی اپنی مرضی سے گھر کے معاشی نظام میں کچھ تعاون کر دیتی ہے۔ بیوی کے پاس 11 تولہ سونا ہے، مگر خاوند (رہائشی مکان کی مد میں) تقریباً چالیس لاکھ کا مقروض ہے۔ قرض کی واپسی کی مدت میں ابھی کافی عرصہ پڑا ہے۔ اس لیے بیوی کے اصرار کے باوجود سونا نہیں بیچا۔ اس صورت میں سوال یہ ہے کہ:

1۔ کیا میاں بیوی دونوں کا نصاب الگ الگ شمار ہوگا؟

2۔ یا نصاب کا اکٹھا حساب لگایا جائے گا؟

3۔ کیا عورت کے زیرِ قبضہ سونے پر زکوٰۃ لاگو ہوگی؟

جواب بیوی چوں کہ زیور کی مالکن ہے، وہ قرض دار بھی نہیں ہے۔ زیور کی زکوٰۃ ادا کرنا اسی پر لازم ہے۔ خاوند کے پاس اگر اتنا مال ہے کہ قرض کو منہا کرنے کے بعد وہ مال نصابِ زکوٰۃ کے برابر یا اُس سے زائد ہے تو اس پر الگ سے زکوٰۃ لازم ہوگی۔

سوال ہمارے علاقے میں یہ مسئلہ مشہور ہے کہ رمضان المبارک میں جس شخص نے عشا کی نماز جماعت کے ساتھ ادا نہیں کی، بلکہ جماعت کے بعد علاحدہ اپنی نماز ادا کی، وہ شخص اب نمازِ وتر بھی علاحدہ پڑھے۔ جماعت کے ساتھ نہیں پڑھ سکتا۔ اس میں کتنی حقیقت ہے؟

جواب یہ مسئلہ درست نہیں ہے۔ اگر جماعت کے ساتھ نماز ادا نہیں کر سکا تو عشا کی نماز ادا کر کے تراویح میں شریک ہوجائے اور وتر بھی باجماعت ادا کرے۔ باقی رہ جانے والی تراویح کی نماز وتر کے بعد ادا کرے۔

سوال ایک شخص کی شادی ہوئی، جو کہ تقریباً چھ سال تک برقرار رہی۔ اس کے بعد میاں بیوی کے درمیان جھگڑا ہوا اور بیوی اپنے شوہر کو چھوڑ کر والدین کے گھر چلی گئی۔ شوہر نے کچھ ہی دن بعد مؤرخہ 22-02-2021 کو اپنی بیوی کو بذریعہ فون ایک میسج کیا، جس کی عبارت یوں تھی: ''طلاق، طلاق، اور سوچ! جب تیسری مرتبہ بولا تو کھیل ختم تیرا''۔ اور پھر شوہر نے اپنی بیوی کو دو دن کے وقفے سے مؤرخہ 24-02-2021 کو ایک اَور میسج کو کیا، جس کی عبارت یوں تھی: ''طلاق ہے تجھے''۔

اس صورتِ حال میں سوال یہ ہے کہ کیا شریعت کے تحت بیوی کو طلاق واقع ہو چکی ہے یا نہیں؟ نیز کیا رجوع کیا جا سکتا ہے؟

جواب اس صورت میں اگر اس شخص نے اپنی بیوی کو یہ میسج خود کیے ہیں اور وہ اس کا اعتراف کرتا ہے تو اس کی بیوی پر شرعاً تین طلاق مغلظہ واقع ہو چکی ہیں۔ اور وہ اس شخص پر حرام ہو چکی ہے۔ اب رجوع ناجائز اور حرام ہے۔

مدیرِ اعلیٰ مفتی عبدالخالق آزاد طابع و ناشر نے اے۔ جے پرنٹرز 28/A نسبت روڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہ نامہ ''رحیمیہ'' رحیمیہ ہاؤس 33/A کوئینز روڈ لاہور سے جاری کیا۔